بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پانچ دن کم بیس مہینے کی جبری غیر حاضری کے بعد میں اور میرے دونوں رفیق ۲۸ مئی ۵۰ء کو پھر اُسی زندگی کی طرف واپس آگئے جس سے ۴ اکتوبر ۴۸ء کو ہمیں خارج کیا گیا تھا۔ اس مدت میں جن وجوہ سے ہم قید رکھے گئے اور اس سے پہلے ہم کو قید کرنے کے لئے جس جس طرح زمین ہموار کی گئی تھی، اس کے متعلق اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ ساری باتیں ان صفحات میں بیان ہو چکی ہیں۔ اور ویسے بھی ترجمان القرآن کے ناظرین اس کے محتاج نہیں ہیں کہ انہیں اس معاملہ کچھ بتایا جائے، کیونکہ اس ملک میں ان سے زیادہ میرے جرم کا جاننے والا اور کوئی نہیں ہے۔ ان کو خوب معلوم ہے کہ پچھلے ۱۷-۱۸ سال سے میں کیا کچھ کرتا رہا ہوں۔ اسی طرح مولانا امین احسن صاحب اور میاں طفیل محمد صاحب کے جرائم بھی سب سے بڑھ کر انہی کے مشاہدے میں آتے رہے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ہماری گرفتاری کی خبر پاتے ہی سارا معاملہ خود سمجھ لیا ہوگا۔ شاید ان میں سے کسی کو بھی پہلی مرتبہ یہ سن کر حیرت نہ ہوئی ہوگی کہ ہم پکڑے گئے، بلکہ اگر وہ کبھی حیران ہوئے ہوں گے تو اس بات پر کہ آخر شیطان اتنی مدت تک ہم جیسے قصور واروں کو برداشت کیسے کرتا رہا۔

اس موقع پر اپنی ذات کے متعلق میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے اپنی ۴۷ سال کی عمر کا تقریباً دو تہائی حصہ مطالعہ و تحقیق اور غور و فکر میں صرف کیا ہے۔ اس تیس سال کی مدت میں پڑھ کر، سن کر، سوچ کر، سمجھ کر اور مشاہدہ و تجربہ کر کے میرے ذہن کا ایک خاص سانچہ بن چکا ہے، میری زندگی کا ایک نصب العین قرار پا چکا ہے۔ میری فکر کا ایک خاص انداز اور سوچنے کا ایک خاص طرز قائم ہو چکا ہے۔ میں کچھ رائیں رکھتا ہوں جن کی پشت پر برسوں کے مطالعہ سے فراہم کئے ہوئے دلائل ہیں۔ میں نے کچھ چیزوں کو حق پایا ہے اور ان پر میں پورے قلبی و دماغی اطمینان کے ساتھ ایمان لایا ہوں۔ اور کچھ چیزوں کو میں نے باطل پایا ہے اور ان کو

قلب و دماغ کے متفقہ فیصلہ کے ساتھ رد کر چکا ہوں۔ میرے ذہن اور ضمیر کے یہ فیصلے میری ذات کی حد تک بھی محدود نہیں رہے ہیں بلکہ میں برسوں سے ان کی تبلیغ کر رہا ہوں۔ ہزاروں آدمیوں کو میں نے اس نصب العین کی طرف کھینچا ہے جسے میں نے اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تھا۔ ہزاروں کو اس حق کا قائل کیا ہے جس حق کا میں خود قائل ہوا تھا۔ ہزاروں کا رشتہ اس باطل سے کٹوایا ہے جس سے میں نے خود اپنا رشتہ کاٹا تھا۔ اور ہزاروں بندگانِ خدا کی زندگیوں کو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی اس جدوجہد میں مبتلا کر دیا ہے جس میں میں خود مبتلا ہوں۔ اب اگر کسی نے یہ سمجھا تھا کہ میرے ذہن اور خیالات اور مقصدِ زندگی، ہر چیز کو محض طاقت کی دھونس اور جیل کی دلیل سے بدلا جا سکے گا تو میں اس کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس کا صحیح مقام ایوانِ حکومت نہیں بلکہ شفاخانہ امراضِ دماغی ہے۔ اور اگر اس نے یہ توقع قائم کی تھی کہ اس دباؤ میں آ کر میں اپنا ضمیر اس کے ہاتھ رہن رکھ دوں گا اور آئندہ سے راشن کئے ہوئے خیالات ظاہر کرنے لگوں گا، تو میں اس کو مطلع کرتا ہوں کہ اس نے میری سیرت کو اپنی سیرت پر قیاس کرنے میں غلطی کی ہے۔ میرا دل صداقت کے لئے تو ہر وقت کھلا ہوا ہے اور میری ہر رائے کو علمی و عقلی دلائل سے بدلا جا سکتا ہے لیکن میرا ایمان و ضمیر کوئی قابلِ بیع و رہن چیز نہیں ہے۔ اس کی کوشش پہلے بھی جس نے کی ہے ناکام ہوا ہے اور آئندہ بھی جو کرے گا انشاء اللہ منہ کی کھائے گا۔

ممکن ہے اس کارروائی کا فیصلہ کرتے وقت یہ مقصد بھی پیشِ نظر رہا ہو کہ اس طرح اُس کام کو روکا جائے جو میں اور میرے ساتھی کر رہے تھے۔ اگر میرا یہ قیاس درست ہے تو میں کہوں گا کہ اس مقصد کے لئے ہماری گرفتاری کا فیصلہ کرنے والے خود ایک غلط فہمی میں گرفتار تھے اور مجھے امید ہے کہ اب ان کی غلط فہمی دور ہو گئی ہو گی۔ انہوں نے شاید یہ سمجھا تھا کہ جماعت اسلامی چند مٹھی بھر سر پھروں کی ایک جماعت ہے جو اتفاقاً جمع ہو گئی ہے اور اس کا سارا کام بس دو تین آدمیوں کے بل پر چل رہا ہے، اُن کو میدان سے ہٹا دیا جائے گا تو جماعت ختم اور اس کی دعوت نسیاً منسیاً ہو جائے گی۔ اس غلط گمان کی بنا پر انہوں نے ایک غلط قدم اُٹھا دیا اور ٹھوکر کھائی۔ اب اگر انہوں نے خود اپنے اقدام کے نتائج کا جائزہ لے کر دیکھا ہو گا تو ان پر منکشف ہو چکا ہو گا کہ اس حرکت سے جو فوائد وہ اٹھانا چاہتے تھے ان میں سے کوئی فائدہ بھی انہیں حاصل نہیں ہو سکا ہے اور جن

نقصانات سے وہ بچنا چاہتے تھے وہ سب مع شیٔ زائد ان کو پہنچ گئے ہیں۔ اگرچہ میں ان حضرات کی عقل و دانش کے بارے میں کچھ بہت زیادہ خوش گمان نہیں ہوں، تاہم میں توقع رکھتا ہوں کہ اس تجربے کے بعد وہ جماعت اسلامی اور اس کی تحریک کو، اور ان بنیادوں کو جن پر یہ تحریک قائم ہے اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں گے اور آئندہ کوئی قدم ناکافی معلومات اور سرسری اندازوں کی بنا پر نہ اٹھائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک کوئی وقتی اور ہنگامی چیز نہیں ہے جو محض کسی ایک شخص کی پکار پر یکایک اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔ اس طرح کی ایک سطحی رائے قائم کرکے جو معاملہ بھی اس کے ساتھ کیا جائے گا وہ مفید نتیجہ پیدا نہ کرے گا۔ صحیح معاملہ، یا کم از کم معقول معاملہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پس منظر کو اور اس کی اصلیت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

دراصل اس ملک میں دو مستقل مدارس فکر پائے جاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک لمبی تاریخ ہے۔ ہر ایک کو بہت سے اخلاقی، ذہنی اور تمدنی اسباب نے پرورش کیا ہے۔ ہر ایک کی جڑیں ہماری سوسائٹی میں دور دور تک پھیلی اور گہری جمی ہوئی ہیں، اور ان میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ دوسرے کو پھونک مار کر اڑا دے۔

ایک مدرسۂ فکر وہ ہے جو مغرب کے سیاسی، علمی، اخلاقی اور معاشی غلبے سے ہمارے اندر پیدا ہوا ہے۔ اس میں مختلف رجحانات کے لوگ موجود ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو عقیدہ و عمل دونوں میں اسلام سے منحرف ہو چکے ہیں اور اس بات کو نہیں چھپاتے کہ انہیں اسلام کی پیروی منظور نہیں ہے۔ کچھ وہ ہیں جن کا انحراف تو قریب قریب اسی درجے کا ہے مگر سر دست منافقت اور مکاری کے ساتھ وہ اسلام کے ترجمان اور علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو اسلام کو بالکل چھوڑ دینا تو نہیں چاہتے مگر پورے اور اصل اسلام کو قبول کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں بلکہ اپنے مذاق و رجحان کے مطابق ایک نیا اسلام بنانا چاہتے ہیں جس میں اصلی اسلام کی صرف وہ چیزیں باقی رہ سکتی ہیں جو ان کو پسند ہوں۔ ان مختلف رجحانات کے لوگوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ان کی نگاہ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر معیار حق وہ افکار، اقدار اور اطوار ہیں جو مغربی تعلیم و تہذیب کے زیر اثر انہوں نے اختیار کئے ہیں اور خدا اور رسول کی ہدایت ان کے لئے حجت نہیں ہے کہ جو کچھ اس سے ثابت ہو وہ اس کے آگے سر جھکا دیں۔ اس مدرسۂ فکر کے لوگ اگرچہ تھوڑے ہیں، اور ہمارے عوام کے دل و دماغ

ان کے ساتھ نہیں ہیں، لیکن زمام کار اس وقت انہی کے ہاتھ میں ہے کیونکہ انگریزی اقتدار کے دور میں آگے بڑھنے کے جتنے مواقع بھی ملے زیادہ تر انہی کو ملے اور چلتے وقت انگریز نے اپنی میراث بھی اپنے اس خلف الصدق گروہ کو سونپی:

دوسرا مدرسۂ فکر وہ ہے جو اسلام کی اندرونی قوت حیات کے نتیجے میں ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ اس میں بھی اگرچہ مختلف رجحانات کے لوگ موجود ہیں جن کے درمیان جزئیات و فروع اور مذاق طبیعت کے لحاظ سے بہت کچھ اختلافات ہیں، مگر قدر مشترک ان سب کے درمیان یہ ہے کہ وہ اسلام ہی کو اپنے لئے نظام زندگی کی حیثیت سے پسند کرتے ہیں اور تمام معاملات زندگی میں اس ہدایت کو حجت مانتے ہیں جو خدا و رسول سے ثابت ہو۔ یہ مدرسۂ فکر انگریزی اقتدار کے پورے دور میں مغلوب و مقہور رہا، نشو ونما کے ذرائع سے محروم رہا، ہر شعبۂ زندگی میں زمام کار سے بے دخل رہا، اور اب بھی کم و بیش اس کا یہی حال ہے، لیکن اسلام کے وہ تمام اخلاقی و روحانی، ذہنی و فکری، اور تہذیبی و تمدنی اثرات، جن کی بدولت پچھلی تیرہ صدیوں میں ہر قسم کے مخالف حالات میں اسلام زندہ رہا ہے، اس مدرسۂ فکر کی پشت پر موجود ہیں۔ جو اس ملک کے اندر گذشتہ تین صدیوں سے تجدید و احیاء اسلام کی جو تحریکیں پے در پے اٹھتی رہی ہیں وہ سب اپنے طاقت ور اثرات کے ساتھ اس مدرسۂ فکر کی بنیاد مضبوط کر رہی ہیں۔ قوم کے متوسط اور اہل دماغ طبقے کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ قوم کے عوام اپنی جہالت و بے شعوری کے باوجود اس کے نصب العین سے متفق اور اس کے رجحانات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ اور اس پورے مدرسۂ فکر میں یہ جذبہ مشترک ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی کی گاڑی اس رُخ پر نہ جائے جدھر اسلام سے انحراف اور اسلام میں تحریف کرنے والے لوگ اسے لے جانا چاہتے ہیں، بلکہ اس کی سمت سفر خالص اسلام کی طرف موڑ دی جائے۔

جماعت اسلامی اسی دوسرے مدرسۂ فکر کی ایک شاخ ہے۔ اس کی دعوت کی تفصیلات اور اس کے طریق کار سے، یا اس کے کارکنوں سے اس زمرے کے لوگوں کو تھوڑے یا بہت اختلافات ہو سکتے ہیں اور ہیں، لیکن اس کا مقام ہے اسی زمرہ میں۔ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے وہ ان لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دل کی آواز ہے جو اس ملک میں اسلام کا احیاء چاہتے ہیں۔ جو کچھ وہ کر رہی ہے وہ اس مجموعی کوشش کا ایک جزء ہے جو یہاں تجدید اسلام کے لئے ہو رہی ہے۔ وہ کوئی درخت سے ٹوٹا ہوا پتہ نہیں ہے کہ آپ جب چاہیں اسے ایک پھونک مار کر اڑا دیں۔ وہ ایک بڑے درخت کی شاخ ہے جو اپنے تنے کے ساتھ وابستہ ہے اور زمین میں اپنی گہری اتری ہوئی